عصرِ حاضر کے تعلیمی تقاضے اور اقبال

ڈاکٹر ثمن زاہد
لیکچرار اردو
گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، کوٹ خواجہ سعید، لاہور

EDUCATION AND IQBAL
IN CONTEMPORARY PERSPECTIVE

Saman Zahid, PhD
Lecturer in Urdu
Govt. Degree College(W), Kot Khawja Saeed, Lahore

Abstract

Allama Muhammad Iqbal infused a new spirit in his nation through his life-giving poetry. His thoughts have left lasting impacts on the life of the Muslims of the Subcontinent. Though he had not spoken clearly about his views on education, yet a very vivid picture of his thought regarding education can be perceived through his poetry and statements. This article is an effort to point out Iqbal's views on education found in his poetry both Urdu and Persian.

Keywords:

علامہ اقبال، خواجہ غلام السیدین، حبیب الدین احمد، بختیار صدیقی، جاوید نامہ، برصغیر، ریاضی، مغربی فنون، تعلیم نسواں، سائنس

برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کے نظریات وافکار پر نہایت مثبت اثر ڈالنے والی چندقد آور شخصیات میں سے اہم اور نمایاں نام علامہ اقبال کا ہے تاہم مفکر سے زیادہ وہ شاعر کی حیثیت سے اثر انداز ہوئے۔ انھیں اس صدی کا سب سے بڑا اور آفاقی شاعر قرار دینا کسی طور غلط یا بے جا نہ ہوگا۔ ان کا کلام زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ انھیں محض تصوارت کا شاعر نہیں بل کہ عملی زندگی کے ٹھوس حقائق کا شاعر قرار دیا جاتا ہے، بقول بختیار صدیقی:

> ''اقبال شاعر اور فلسفی دونوں حیثیتوں سے 'دیدہ بینائے قوم' تھے انھوں نے بلا شک وشبہ ''ثقافت کے طبیب'' کا فرض ادا کیا۔''(۱)

آپ زندگی کے ہر رنگ کو اجاگر کرتے ہوئے جہاں دیگر مسائل پر قلم اٹھاتے ہیں وہاں تعلیم جیسی بنیادی ضرورت کو زور دار طریقے سے موضوع سخن بناتے ہیں۔ علامہ نے طلبہ کو قومی و معاشرتی زندگی کا اہم اور فعال کردار گردانا ہے۔ اس سلسلے میں وہ نہ صرف ظاہری تعلیم بل کہ باطنی و روحانی تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے نظر آتے ہیں۔

اقبال نے اگرچہ کوئی مستقل تعلیمی فلسفہ نہیں پیش کیا تاہم اس کے باوجود تعلیم کے فنی اور عملی ہر دو پہلوؤں پر غور کیا ہے۔ ان کے ہاں مختلف پہلوؤں مثلاً معلم، متعلم، جزا وسزا، تعلیم نسواں اور نصاب تعلیم کے حوالے سے نظریات بھی واضح طور پر پائے جاتے ہیں۔ گویا اقبال کے فلسفہ حیات میں تعلیم کو اہم مقام حاصل ہے۔ ان کے نزدیک علم، تعلیم سے زیادہ وسعت اور روحانیت کا حامل ہے اور فرد کی تربیت میں زیادہ موثر کردار ادا کرتا ہے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ علم کے ذریعے ہی حقائق کا ادراک ممکن ہے۔ خواجہ غلام السیدین کے اس سوال کے جواب میں کہ ان کے نزدیک علم کا مفہوم کیا ہے، اقبال لکھتے ہیں:

> ''علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دار ومدار حواس پر ہے، عام طور پر میں نے علم کا لفظ ان ہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے، جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ یہ علم، علم حق کی ابتدا ہے جیسا کہ میں نے جاوید نامہ میں لکھا ہے:
>
> علم حق اول حواس آخر حضور
> آخر او می نگنجد در شعور
>
> وہ علم جو شعور میں نہیں سماسکتا اور جو علم حق کی آخری منزل ہے اس کا دوسرا نام عشق ہے۔

علم وعشق کے تعلق سے جاوید نامہ میں کئی اشعار ہیں:

علم بے عشق است طاغوتیاں　　　　علم با عشق است لاہوتیاں

اس ضمن میں حبیب الدین رقم طراز ہیں کہ اقبال کے نزدیک:

مسلمان کے لئے لازم ہے کہ علم کو (یعنی اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے) مسلمان کرے۔ "بولہب راحیدر کرار کن" اگر یہ بولہب حیدر کرار بن جائے یا یوں کہیئے کہ اگر اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوع انسانی کے لئے سراسر رحمت ہے۔" (۲)

اسی تناظر میں اپنے دور کی اور ماضی میں مسلمانوں کی تعلیمی حالت پر بات کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ آج کل "تعلیم" زیادہ ہے لیکن "علم" نہیں۔ پہلے زمانے میں "علم" زیادہ تھا اور "تعلیم" کم۔ اس حقیقت کے باوجود وہ تعلیم کی اہمیت کو کہیں بھی پس پشت نہیں ڈالتے۔ اپنی شاعری میں جہاں نظام تعلیم کی خرابیوں اور خوبیوں کا جائزہ لیا ہے وہاں فرد و معاشرہ پر یہ بھی واضح کیا ہے کہ زندگی کو کامیابی سے ہم کنار کرنے اور مزاحمتوں پر قابو پانے کے لئے کس قسم کی تعلیم اور نظام تعلیم کی ضرورت ہے۔ ان کے پیش کردہ جامع افکار و نظریات کو کسی ایک دور تک محدود نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ ہر آنے والے دور کے لوگوں کے لئے یقیناً مشعل راہ ہیں۔ ان کے نزدیک:

تمام قومی عروج کی جڑ بچوں کی تعلیم ہے۔ اگر طریق تعلیم عملی اصولوں پر مبنی ہو تو تھوڑے ہی عرصے میں تمام تمدنی شکایات کافور ہو جائیں۔" (۳)

ہر عہد میں ہر معاشرے کی اپنی کچھ ضروریات تقاضے اور ترجیحات ہوتی ہیں جو وقت اور حالات کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں کیوں کہ جب تک کوئی قوم یا معاشرہ خود کو وقت اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ڈھالنے کی سعی نہیں کرے گا اس وقت تک ترقی کی دوڑ میں شریک ہو سکے گا اور نہ ہی جدید دور کی تیز رفتاری کا ساتھ دے سکے گا۔ جہاں زندگی کے دیگر میدانوں میں معاشرے کے اپنے انفرادی تقاضے ہوتے ہیں وہاں تعلیمی میدان بھی ترقی اور کامیابی کے حصول کے لئے کچھ باتوں کا متقاضی ہوتا ہے جن میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔

جو نصاب ماضی میں مدارس میں پڑھایا جاتا تھا وہ بہت محدود تھا۔ آہستہ آہستہ دینی کتابوں کے ساتھ اس میں فقہ، منطق، علم فلکیات، ریاضی وغیرہ جیسے علوم کا اضافہ ہوا اور مسلمان ان علوم سے فائدہ

اٹھاتے ہوئے ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے۔ پھر جب وقت ذرا آگے سرکا تو ان علوم کو عصری حالات کے پیش نظر تعلیمی عمل کے لئے ناکافی سمجھا گیا لہٰذا ان میں سائنس، معاشرتی علوم، انگریزی اور جدید ٹیکنالوجی جیسے مضامین کا اضافہ کیا گیا تا کہ عصر حاضر کے ساتھ چل کر زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھا جا سکے۔

علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات کے تناظر میں اگر نصاب تعلیم کا جائزہ لیں تو ان کا کہنا تھا مضامین میں تنوع ضرور ہونا چاہیے مگر دینی مضامین کو بھی اہمیت دینی چاہیے۔ اسلامی علوم سے بچوں کے ذہنوں کو پختہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جدید علم کے حصول کے بھی مکمل حمایتی تھے تا کہ عصر حاضر کے بڑھتے ہوئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوا جا سکے۔ علامہ سائنسی اور انگریزی علوم کو حاصل کرنے کے قائل تھے۔ وہ اس سلسلے میں تنگ نظر ہرگز نہ تھے بل کہ مذہب سے قربت اور اس کی حدود میں رہتے ہوئے ان مغربی فنون اور جدید ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھانے کی مکمل تلقین کرتے ہیں۔ لہٰذا تعلیمی عمل میں یہ پہلو آج کے مسلمانوں سے بھی یہی تقاضا کرتا ہے کہ وہ مذہب اور سائنس کی ترقی کو ساتھ لے کر چلیں تا کہ کائنات اور اس کی حیرتوں کو تسخیر کرنے کے عمل میں وہ کسی طور پیچھے نہ رہیں اور یہ پہلو جدید دور کا تعلیمی تقاضا ہے کہ طلبہ کو اس چیز کا مکمل شعور دیا جائے۔ اقبال کی اسی فکر کو بیان کرتے ہوئے محمد احمد صدیقی کہتے ہیں:

> ''اقبال سائنس کے عملی اور ذہنی فائدوں سے بخوبی واقف ہیں اور اس کی تعلیم میں شدید ضرورت بھی محسوس کرتے ہیں مگر وہ اس حقیقت کو بھی جانتے ہیں کہ وہ تنہا انسان کو جذباتی سکون وصداقت عطا نہیں کرسکتی۔ اس کے مقابلے میں مذہب ہے جو مکمل صداقت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اسی بنا پر اسے تعلیم میں مرکزی اہمیت دی جاتی ہے۔ پس کوشش اس بات کی ہو کہ سائنس اور مذہب میں سمجھوتا کرلیا جائے تا کہ ان دونوں کے امتزاج سے اچھا نظام حیات اور نظام تعلیم ترتیب پا سکیں۔''(۴)

علامہ کا یہ کہنا ہر دور کے مسلمانوں کے لئے بالکل بجا ہے کہ مذہب سے دور ہو کر وہ جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی علوم وفنون تو حاصل کرلیں گے مگر ان کے ظاہری پہلوؤں یا کھوکھلے پن میں کھو کر رہ جائیں گے اور خود سے بھی کٹ جائیں گے۔ لہٰذا آج کے دور میں علامہ کا یہ پیام ایک اہم تعلیمی تقاضے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مذہب کی تعلیمات سے دوری انہیں ترقی تو ضرور دیتی ہے مگر ساتھ ہی انہیں

الحاد کی جانب بھی لے جاتی ہے، جو بالآخر تباہی کا باعث بنتی ہے۔اقبال نے اس پہلو کو طنز کے پیرائے میں اس طرح بیان کیا ہے:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ(۵)

جدید دور بلاشبہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بے پناہ ترقی کا دور ہے لہذا اسی حوالے سے اس دور میں تعلیم کے تقاضے بھی ماضی کی نسبت مختلف ہیں۔مثلاً اگر تعلیم نسواں پر ہی نظر ڈالیں تو ماضی میں خواتین صرف گھروں کے کام کاج کرنے اور بچوں کو پالنے کی ذمہ دار تھیں۔جوں جوں وقت گزرتا گیا حالات بدلتے گئے اور خواتین کو عصری تقاضوں کے پیش نظر باہر نکل کر تعلیمی اداروں میں آنے کا موقع ملا۔آج خواتین نہ صرف اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں۔مرد اور عورت گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ جب تک یہ دونوں پہیے مل کر نہیں چلیں گے زندگی کی گاڑی آگے نہیں بڑھ پائے گی۔

علامہ کے نظریہ تعلیم نسواں کا اگر جائزہ لیں تو وہ کسی حد تک محدود خیالات کے حامی نظر آتے ہیں۔مثلاً وہ عورت کی ابتدائی تعلیم اور مکمل مذہبی تعلیم کے حق میں تو ہیں مگر اعلیٰ سطح پر عورتوں کی تعلیم کے زیادہ حق میں نہیں۔وہ خواتین کے گھر سے باہر نکل کر کام کرنے کے حق میں بھی نہیں۔ان کے خیال میں جدید تعلیم عورت کو بے راہ رو کر دیتی ہے اور اس میں ''زن'' کی خوبیاں ختم کر دیتی ہے۔وہ کہتے ہیں:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن   کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت (۶)

اس سلسلے میں وہ عورتوں کی تعلیم کے لئے نصاب بھی مردوں سے مختلف تجویز کرتے ہیں اور مخصوص ادارے بنانے کی تجویز بھی پیش کرتے ہیں۔حبیب الدین احمد لکھتے ہیں:

''اقبال کے نزدیک عورتوں کی تعلیم کا مقصد متعین ہونا چاہیے یعنی وہ تعلیم حاصل کریں مگر کسی متعین مقصد کے ماتحت اور وہ مقصد ایسا ہو جو نسوانی زندگی اور اس کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو ان کی تعلیم برائے زندگی و خانہ داری ہو نہ کہ برائے ملازمت۔''(۷)

مگر عصرِ حاضر کے تعلیمی تقاضوں کے پیشِ نظر ہم اقبال کے ان خیالات سے تھوڑا انحراف کر سکتے ہیں۔ آج کے دور میں تعلیم نسواں محض ابتدائی سطح پر ہی نہیں بل کہ اعلیٰ سطح پر بھی بہت ضروری ہو گئی ہے۔ عصرِ حاضر کے تقاضوں کے پیشِ نظر اقبال کی اس رائے سے مکمل اتفاق ذرا مشکل ہو جاتا ہے کہ عورتوں کے لئے نصاب تعلیم اور تعلیمی ادارے بالکل الگ اور مخصوص ہوں یا ان کی تعلیم محدود ہو۔ عصرِ حاضر میں یہ طرزِ فکر تنزل کا باعث اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔

عصرِ حاضر کے تعلیمی تقاضوں میں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ جب تک اساتذہ اور طلبہ میں ہم آہنگی اور اچھے تعلقات نہیں ہوں گے، اس وقت تک تعلیمی عمل میں اچھا اور خوش گوار ماحول پیدا نہیں کیا جا سکتا اور جب تک تعلیمی اداروں کا ماحول خوش گوار نہیں ہوگا اس وقت تک بہتر تعلیمی لائحہ عمل بھی سامنے نہیں آ سکتا۔ لہٰذا آج کے استاد میں طلبہ کو اپنے قریب لانے اور ان سے تعلیمی سطح پر تعلقات قائم کرنے کی استعداد موجود ہونی چاہیے۔ علامہ اقبال بھی انھی نظریات کے حامی ہیں کہ استاد اور شاگرد کے درمیان کسی حد تک دوستانہ تعلق ہونا چاہیے تا کہ استاد طلبہ کے مسائل کو بہتر طور پر سمجھ سکے اور طلبہ بھی استاد کے مرتبے کو پہچان سکیں۔ بقول بختیار صدیقی:

> ''بچوں کی تعلیم و تربیت پر اپنے مضمون میں جو جنوری 1906 کے رسالہ مخزن میں شائع ہوا، انھوں نے اساتذہ کے لئے بچوں کے نشو و نما کے اصولوں کا مطالعہ لازمی قرار دیا۔ اساتذہ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون سے امور ہیں جو عالمِ طفلی کے ساتھ مختص ہیں، تا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں ان کو ملحوظ رکھا جائے اور ان سے بہ احسن وجوہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے''۔(۸)

کوئی قوم یا معاشرہ اس وقت تک ترقی کی راہوں پر گامزن نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنے اندرونی انتشار کو ختم نہ کریں یعنی وہ لسانی، نسلی اور مذہبی تفرقہ بازی کو نہ چھوڑ دیں۔ موجودہ دور میں اگر ہم ابھی تک ترقی یافتہ قوموں سے بہت پیچھے ہیں تو اس کی بڑی وجہ معاشرے میں پایا جانے والا تعصب، فرقہ بازی اور وہ خلفشار ہے جس سے ہماری نسلیں بری طرح دوچار رہیں۔ تعصب صرف اور صرف تعلیم کے ذریعے ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔ وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ مثبت اور بہتر تعلیم کے ذریعے اس علاقائی، لسانی اور مذہبی تعصب کو ختم کر کے بحیثیت ایک قوم عالمی برادری میں بلند مقام حاصل کیا جائے۔

اقبال کے طرز فکر میں اس پہلو پر بہت زور دیا گیا ہے۔ وہ نسلی تعصب کے سخت خلاف تھے لہٰذا اس طرز فکر پر کڑی تنقید بھی کرتے ہیں اور مسلمان نوجوان کو اس سے بچنے کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ اقبال کا یہ پیام اپنے اندر آفاقی رنگ لئے آج کے دور کے طلبہ کے لئے بھی اسی طرح مشعل راہ ہے جس طرح سے ان کے اپنے دور میں تھا۔ اس سلسلے میں ایک جگہ یوں سوال کے ذریعے مسلمانوں کو جھنجھوڑتے ہیں:

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو(۹)

اقبال کا پیغام صرف ان کے دور تک ہی محدود نہ تھا بل کہ اس میں عصر حاضر اور مستقبل میں آنے والے طلبہ اور جوانوں کے لئے بھی زندگی کی راہوں کا تعین کیا گیا ہے۔

علامہ نے طالب علموں اور دیگر نوجوانوں کو جو نصیحت کی ہے اس میں سب سے زیادہ اہم ان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل ہے، جو صرف تعلیم کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ علامہ چاہتے ہیں کہ مسلمان نوجوان اپنی خودی کی پہچان کرے دوسروں کی تقلید نہ کرے اور اپنے لئے حیات کی بہتر راہیں تلاش کرے۔ اس میں ''شاہین'' کی سی خصوصیات ہونی ضروری ہیں۔ لکھتے ہیں:

تری زندگی اسی سے، تیری آبرو اسی سے
جو رہے خودی تو شاہی، نہ رہے تو روسیاہی (۱۰)

ساتھ ہی اقبال کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہمیں اپنے نوجوانوں کو خودی کی تعمیر و تربیت کے لئے بہتر راہ بھی سمجھانی چاہئے۔ اور وہ راہ ہے دین اور مذہب کی راہ۔ جب تک ہم اپنی تعلیم کو اپنے مذہب کی تعلیمات کی روشنی میں نہیں ڈھالیں گے ہمارے اندر نہ شاہین کی خصوصیات ابھر سکیں گی اور نہ ہی ہماری روحانی و اخلاقی تربیت ہو سکے گی۔ بختیار صدیقی کہتے ہیں:

''اقبال کے نزدیک سیرت کی تعمیر دینی تعلیم پر مبنی ہے۔ اس کے بغیر نہ نگاہ بلند کا تصور کیا جاتا ہے اور نہ یقین محکم کا۔ لادینی تعلیم ذہن کو روشن تو کرتی ہے مگر دل میں حرارت پیدا نہیں کرتی۔ وہ فکر کو آزاد تو کرتی ہے مگر اسے مضبوط اور منظم نہیں کرتی:

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام (۱۱)

مومن وہ ہے جس کا دل ونظر مذہب اسلام کے رنگ میں رنگا ہو اور ایک مسلمان طالب علم جہاں اس کائنات کی تسخیر دین اسلام کی راہ پر چل کر سکتا ہے وہاں اپنے آپ کو پالینے کی جستجو بھی کرتا ہے۔ اس طرح غیروں کی تقلید یا پیروی سے بچ کر خود سے وہ زندگی کا سراغ پاتا ہے۔ یہ اقبال نے یہ پیغام مسلمان نوجوانوں کے لئے ازحد ضروری قرار دیا ہے تا کہ وہ جذبے اور شوق کی دولت سے مالا مال ہو کر تعلیم کے ذریعے زندگی کی تاریک راہوں میں چراغ روشن کر سکیں۔ دین کے بغیر ان میں وہ بلند خیالی اور وسعت نظری نہیں آسکتی جو حالات اور وقت کا تقاضا ہے اور مسلمانوں کی میراث ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''مسلمان نوجوانوں کی تعلیمی اساس اگر دینی اور اخلاقی نہ ہو ان میں سیر چشمی، بلند نظری اور خودداری کے اوصاف حسنہ پیدا نہیں ہو سکتے جو اسلامی سیرت کے لئے مابہ الامتیاز ہیں۔''(۱۲)

اسی تناظر میں اقبال مسلمان نوجوانوں کو مومن اور کافر کی پہچان بھی کراتے ہیں:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق (۱۳)

اقبال کے نزدیک صرف کتابیں پڑھ لینا ہی کافی نہیں کیوں کہ صرف ان کے ذریعے ہی انسانیت کے منصب تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ بل کہ بزرگوں کی صحبت اور فیضان نظر کی تاثیر ہی وہ چیز ہے جو انسان کی پرورش اور قلب ونظر کی روشنی کے لئے لازمی ہے۔ لہٰذا کتابی علم کے ساتھ ساتھ بزرگوں کے فیضان نظر سے ہی انسان کی وہ تربیت ممکن ہے جو اسے تکمیل انسانیت تک پہنچاتی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی (۱۴)

علامہ اقبال تعلیمی عمل میں استاد کی جہاں ذمہ داریوں میں طلبہ کی روحانی واخلاقی اور ظاہری تربیت کا ذکر کرتے ہیں وہاں طلبہ کو بھی یہ بات باور کراتے ہیں کہ استاد کی حیثیت ایک مرشد کی سی ہے لہٰذا استاد کے مرتبے کے مطابق عزت دینا اور اس کی تقلید کرنا ان پر فرض ہے۔ معلم ہی وہ شخص ہے جو طلبہ میں علم سے سچی لگن اور شوق پیدا کرتا ہے۔ اس کی رہنمائی کے بغیر تعلیم بے سمت رہتی ہے۔ اپنے اس نقطہ نظر کو ایک جگہ یوں بیان کرتے ہیں:

> ''معلم حقیقت میں قوم کے محافظ ہیں۔ معلموں سے ہی علم کا سچا عشق پیدا ہوتا ہے۔''(۱۵)

لہذا معلم پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ طلبہ کی ظاہری و باطنی ہر دو پہلوؤں سے تربیت کرے اور اپنی ذمہ داریوں کا دیانتدارانہ طریقے سے احساس کرے۔

تعلیم کو زندگی کے حقائق اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لہذا اقبال بھی جدید ٹیکنالوجی اور سائنس کی ترقی کے حق میں ہیں۔ اور یہ تلقین کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو ضرور جدید ترقی کی راہوں پر لے جائیں مگر اس کے لئے کچھ احتیاطیں ملحوظ خاطر رکھنا بھی لازمی ہیں تا کہ کہیں ترقی کی دوڑ میں بے راہ روہو کر اپنی اصل منزل نہ کھودیں اور مادیت پرستی کی دھند میں نہ کھو جائیں۔ پھر اقبال نے یہ تلقین بھی طلبہ کو کی کہ وہ خصوصاً طالب علمی کے زمانے میں سیاست اور اس کے اثرات سے دور رہیں اور اپنی تمام تر توجہ حصول علم کے لئے وقف کردیں کیوں کہ سیاست کی پر پیچ راہیں طلبہ کو گمراہ کرسکتی ہیں اور یہ پیام آج کے طلبہ کے لئے بھی ماضی کی طرح ایک بہتر سمت کا تعین کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

''اقبال کے نزدیک تعلیم اور تعلیم کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ اس کا ماحول ان عناصر سے پاک ہو جو طالب علم میں محکومانہ یا علاقانہ ذہنیت پیدا کرتے ہیں خواہ یہ غلامی یا محکومی سیاسی و سماجی ہو یا نفسیاتی یا معاشی۔''(۱۶)

اقبال کے پیش کردہ تعلیمی نظریات اور ان کے پیغام کی روشنی میں طلبہ کے لئے ایک راہ حیات متعین ہوتی ہے جو اپنے اندر وہی خصوصیات رکھتی ہے جو اسلام کی بتائی ہوئی راہ حیات میں ہے۔ گویا یہ اسلام کے طرز فکر سے مکمل ہم آہنگ ہے۔ اسی لئے اس راہ پر چلنے والا فرد نہ صرف معاشرے کا بہتر رکن بن سکتا ہے بل کہ ایک بہتر مسلمان کی خصوصیات بھی اپنے اندر پیدا کرسکتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کا کہنا ہے کہ اقبال نے تعلیم کے عملی پہلوؤں پر کچھ زیادہ نہیں لکھا مگر ان کے افکار سے ایک تصور تعلیم ضرور پیدا ہوتا ہے۔ جس کو اگر مرتب کرلیا جائے تو اس پر ایک مدرسہ تعلیم کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ غرض اقبال کا پیغام یہی ہے کہ مسلم نوجوان اپنے دین اور دنیا کی تعلیمات کو ہم آہنگ کر کے جہاں دنیاوی ترقی کی راہ میں آگے بڑھیں وہاں روحانی طور پر اپنے اندر اخلاقیات، خودداری، بلند تخیلی، اتحاد اور اپنی منزل کے حصول کے لئے سچی لگن کو اپنے اندر ابھار سکیں۔ صرف اسی طریقے سے وہ ایک بہتر اور بلند مقام حاصل کر کے زندگی گزار سکتا ہے اور مومن کی خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کرسکتا ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی یہ رائے اپنے اندر وزن رکھتی ہے:

''اقبال کے کلام و مقالات کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیم کے سلسلے میں ان کا مقصود نظر فلسفہ خودی سے الگ نہیں۔ فلسفہ خودی کی روح عظمت آدم اور احترام آدمیت ہے اس کے لئے وہ ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتے ہیں جس کی بنیاد نسل و رنگ یا علاقائی تفریق کی بجائے اخوت انسانی اور عالمگیر انسانی برادری پر رکھی ہو۔''(۱۷)

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) اقبال بحیثیت مفکرِ تعلیم، بختیار حسین صدیقی، اقبال اکیڈمی پاکستان، ۱۹۸۳ء، ص ۵

(۲) علامہ اقبال کا نظریۂ تعلیم از حبیب الدین احمد، القمر انٹر پرائزر، لاہور، س ن، ص 19

(۳) اقبال بحیثیت مفکرِ تعلیم، ص 4

(۴) اقبال کے تعلیمی نظریات، محمد احمد صدیقی، آل پاکستان ایجوکیشن کانفرنس کراچی، ص 219

(۵) کلیاتِ اقبال، ص 368

(۶) کلیاتِ اقبال، ص 967

(۷) علامہ اقبال کا نظریۂ تعلیم، ص 67

(۸) اقبال بحیثیت مفکرِ تعلیم، ص ۵

(۹) کلیاتِ اقبال، ص 355

(۱۰) کلیاتِ اقبال، ص 391

(۱۱) ضربِ کلیم، ''کلیاتِ اردو''، ص 535

(۱۲) فیضانِ اقبال، اسلم انصاری، مجلس فکر اقبال ملتان ۱۹۹۷ء، ص 26

(۱۳) کلیاتِ اقبال، ص 44

(۱۴) کلیاتِ اقبال، ص 84

(۱۵) رسالہ مخزن، ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' جنوری 1902ء

(۱۶) اقبال سب کیلئے، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۷۸ء، ص 109

(۱۷) ایضاً، ص 108